ڈاکٹر محمود احمد غازی اور علم حدیث

(محاضراتِ حدیث کی روشنی میں)

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر*
پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد اختر**

ABSTRACT

Islam has been a subject of great importance for Muslim and Non-Muslim Scholars. Countless numbers of researchers have written on the Quran, Hadith, Fiqh and Islamic History. Among these scholars Dr. Mahmood Ahmad Ghazi (1950-2010) is renowned for his contribution to Islamic social sciences. He was equally well versed in the classical, as well as, modern scholarly trends in the study of Islam. He worked in various academic, administrative and judicial positions during his life including as professor, Director Da'wah Academy, Director Shariah Academy, Vice President Academics and then President of International Islamic University, Islamabad and was finally elevated in 2010 as a judge at Federal Shariah Court of Pakistan where he served till the end of his life. He was a prolific writer and authored nearly thirty works of high academic value in different Islamic social sciences including Economics, law and Islamic education in Arabic, English and

* پروفیسر شعبہ علومِ اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور
** چیئرمین شعبہ علومِ اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور

Urdu languages. He attended a large number of conferences across the globe to present his research papers.

He delivered a series of twelve extensive lectures on various aspects of Hadith which were later published as '*Muhazrat e Hadith*'. He believed that hadith is a type of revelation and deemed it essential for understaning the mearning of the Quran. He therefore admired the *Muhaddithin* for the massive contribution they made in preserving hadith. He ranks Imam Bukhari at the top and Imam Muslim after him among the compilers of the Sihah.We will discuss in detail in this article Dr. Ghazi's contribution to the science of *hadith* from his book mentioned above.

Keywords: محمود غازی، سوشل سائنسز، علوم حدیث، برصغیر، محاضرات حدیث۔

اس کائنات میں بلند ترین مقام انسان کا ہے اور انسان کا مقام و مرتبہ علمی و عملی صفات ہیں، انہی صفات سے انسان کا معاشرتی مقام اور اصلاح معاشرہ کے لیے کاوشوں کا اندازہ ہوتا ہے، امت مسلمہ کی تاریخ مصلحین، مجددین، علماء اور صلحاء سے بھرپور ہے عصر حاضر کے بلند پایہ علماء میں ایک نام علامہ ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کا ہے جن کی زندگی تعلیم و تعلم اور بہت سے اداروں کی سربراہی سے معمور ہے۔ اس مختصر تحقیقی مقالہ میں ان کی خدمات حدیث پیش کرنے کی سعی کی جائے گی۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾[1] "اللہ سے ڈرنے والے علماء ہی ہیں۔"

ڈاکٹر محمود احمد غازی علومِ اسلامیہ کے قدیم و جدید پہلوؤں پر گہری نظر رکھنے والے عالم باعمل تھے۔ وہ جہاں علمی حلقوں میں ایک بلند منزلت پر فائز سمجھے جاتے تھے وہاں ان کی ذاتی خوبیوں کے پہلوؤں کو بھی اللہ تعالی نے

1۔ فاطر:35

لوگوں میں شائع کر دیا تھا۔ گویا وہ عجز و انکساری، ورع و تقوی اور اخلاق و تہذیب کے مرقع و پیکر تھے اور یہ بات اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ان کی ذات سے شاید ہی کسی کو کوئی شکوہ و شکایت پیدا ہوئی ہو۔

مختصر حالات

ڈاکٹر صاحب 18 ستمبر 1950ء میں پیدا ہوئے۔1954ء میں حفظ قرآن شروع کیا۔ 1960ء میں دینی مدارس سے تعلیم کا آغاز کیا اور وقت کے جید علماء سے دینی تعلیم حاصل کی۔1977ء میں آپ نے ایم اے عربی زبان و ادب میں کیا اور پھر انگریزی اور عربی میں مہارت حاصل کی۔

1980ء میں قائد اعظم یونیورسٹی میں فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لاء کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے روح رواں ڈاکٹر موصوف تھے۔اسی فیکلٹی کی بنیاد پر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی عالم وجود میں آئی۔ آپ کی تدریس بھی اسی فیکلٹی میں رہی۔ اسی طرح 1981ء میں ادارہ تحقیقات اسلامی کا عربی مجلہ 'الدراسات الاسلامیہ' چھپنا شروع ہوا 1983ء تک آپ اس کے مدیر رہے۔ 1984ء میں ''فکر و نظر'' کی ادارت کی ذمہ داری ملی۔1985ء میں "دعوہ اکیڈمی" کے قیام میں بھی آپ پیش پیش رہے۔ 1988ء میں "دعوہ اکیڈمی" کے مدیرِ عام کے طور پر کام کیا اور اسی سال آپ کی پی ایچ ڈی شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی سے مکمل ہوئی۔ 1991ء میں "دعوہ اکیڈمی" کے ساتھ "شریعہ اکیڈمی" کی نظامت بھی آپ کو سونپ دی گئی۔1994ء سے 2004ء تک بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے نائب صدر رہے۔1999ء میں قومی سلامتی کونسل کے رکن رہے۔2000ء میں وفاقی مذہبی امور کی وزارت بھی آپ کو سونپ دی گئی، جو 2002ء میں آپ نے چھوڑ دی۔

ڈاکٹر صاحب کا تعلق 1988ء تک تدریس و تحقیق سے رہا لیکن اس کے بعد مسلسل انتظام و انصرام کے امور سے منسلک رہے۔2006ء میں کلیہ معارف اسلامیہ قطر سے وابستہ ہوگئے۔2010ء میں پاکستان میں "وفاقی شرعی عدالت"، میں بطور جج منتخب کیے گئے۔ اسی سال بحیثیت جج وفاقی شرعی عدالت آپ اپنے خالق حقیقی سے جاملے، رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ.

تصانیف

ڈاکٹر صاحب کو جہاں اللہ تعالی نے تقریر کی صلاحیت عطا فرمائی تھی وہاں تحریر کے میدان میں بھی آپ کو ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ نے سیکڑوں مقالات لکھے جو تحقیقی اور علمی جرائد میں طبع ہوئے۔ علاوہ ازیں اردو عربی اور انگریزی زبان میں آپ نے تالیف و تدوین کا کام کیا۔

اردو کتب:

1۔ادب القاضی، اسلام آباد1983ء

2۔مسودہ قانونِ قصاص ودیت، اسلام آباد1986ء

3۔احکام بلوغت، اسلام آباد1987ء

4۔اسلام کا قانون بین الممالک، بہاولپور1997ء

5۔محاضرات قرآن، الفیصل ناشران کتب، لاہور2004ء

6۔محاضرات حدیث، الفیصل ناشران کتب، لاہور2004ء

7۔محاضرات فقہ، الفیصل ناشران کتب، لاہور2005ء

8۔محاضرات سیرت، الفیصل ناشران کتب، لاہور2007ء

9۔محاضرات شریعت و تجارت، الفیصل ناشران کتب، لاہور2009ء

10۔اسلامی شریعت اور عصر حاضر، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد2009ء

11۔قرآن ایک تعارف، اسلام آباد2003ء

12۔محکمات عالم قرآنی، اسلام آباد2003ء

13۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر، اسلام آباد1992ء

14۔اصول الفقہ (ایک تعارف، حصہ اول ودوم) اسلام آباد2004ء

15۔قواعد فقہیہ اسلام آباد

16۔تقنین الشریعہ، اسلام آباد2005ء

17۔اسلام اور مغرب کے تعلقات، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز کراچی2009ء

18۔مسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم، الشریعہ اکادمی گوجرانوالا2009ء

19۔اسلامی بینک کاری ایک تعارف، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز، کراچی:2010ء

20۔فریضۂ دعوت و تبلیغ، دعوہ اکیڈمی اسلام آباد2004ء

21۔اسلام اور مغرب، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز، کراچی:2010ء

عربی تصانیف:

1۔تحقیق و تعلیق السیر الصغیر امام محمد بن حسن الشیبانی اسلام آباد، طبع: 1998ء

2-القرآن الكريم- المعجزة العالية الكبرىٰ اسلام آباد1994ء
3-یاامم الشرف (ترجمہ کلام اقبال) 1986ء
4-تاريخ الحركة المجددية، بيروت 2009ء
5-العولمة ،قاهرة 2008ء
انگریزی تصانیف:

1-The Hijrah: its philosophy and message for the modern man 1980-1988-1999

2-An Analytical Study of the Sannosiyyah Movement of North Africa Islamabad 2001(based on Ph. D theises.)

3-Renaissance and Revivalism in Muslim India 1707-1867, Islamabad 1998

4-The shorter book on Muslim International Law, Islamabad 1998

5-State and Legislation in Islam, Islamabad 2006

6-Prophet of Islam, his life and works

Qadianism, Lahore1992

ڈاکٹر محمود احمد غازی اور محاضراتِ حدیث

ڈاکٹر محمود غازی علوم القرآن، فقہ اور عصری علوم سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ علم حدیث سے بھی گہرا شغف رکھتے تھے اوران کی حدیث وعلوم حدیث سے محبت اور انس ان کی کتاب "محاضرات حدیث" حدیث، علوم حدیث، تاریخ تدوین حدیث اور مناہج محدثین پر بارہ خطبات پر مشتمل ہے جو ڈاکٹر موصوف کی علم حدیث میں تبحر علمی کانشان ہیں۔ آپ علم حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

" ہمارے معاشرے میں حدیث کا لٹریچر عام کرنے کی ضرورت ہے اور حدیث کی اساس پر لٹریچر مرتب کرنے کی بھی ضرورت ہے جو عام فہم ہو اورروز مرہ کی زندگی سے متعلق ہو اور اس پر کسی مؤقف کی چھاپ نہ

ہو۔[1]

یہ بات بلا تردد کہی جاسکتی ہے کہ برصغیر میں ہونے والے علم حدیث کے کام کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور یہ بھی برصغیر کو اعزاز حاصل ہے کہ اس میں ایسے رجال حدیث پیدا ہوئے جنہوں نے اس خطہ میں خصوصاً اور عالم اسلام میں عموماً علم حدیث کے فروغ میں حصہ لیا اور یہ کام اتنے وسیع انداز میں ہوا کہ عرب دنیا میں بھی اس کے اثرات محسوس کیے گئے۔

ڈاکٹر مرحوم کو اللہ تعالی نے گوں ناگوں صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے علم حدیث پر ایک جامع کام "محاضرات حدیث" کی صورت میں کیا جس میں انہوں نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے اور جس کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی علم حدیث پر کس قدر گہری نظر تھی۔

مجموعہ محاضرات حدیث کے اہم مندرجات کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ محاضرات حدیث میں ڈاکٹر موصوف نے حدیث اور علم حدیث کے اہم پہلوؤں کا احاطہ کر دیا ہے۔ 'محاضرات حدیث' میں ہر خطبہ علم حدیث کی اہمیت کو اجاگر کرتا نظر آتا ہے۔ محاضرات حدیث جو ان کے ختمی مرتبت ﷺ سے تعلق اور محدثین سے گہری وابستگی کی دلیل ہیں۔ محاضرات میں خطبات کی فہرست کچھ یوں ہے:

1۔ حدیث ایک تعارف

2۔ علم حدیث کی ضرورت واہمیت

3۔ حدیث وسنت بطور ماخذ شریعت

4۔ روایت حدیث اور اقسام حدیث

5۔ علم اسناد ورجال

6۔ جرح وتعدیل

7۔ تدوین حدیث

8۔ رحلہ اور محدثین کی خدمات

9۔ علوم حدیث

10۔ کتب حدیث، شروح حدیث

1۔ علی اصغر چشتی، ڈاکٹر، پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی شخصیت و خدمات، معارف اسلامی جنوری تا جون 2011ء جلد 10 شمارہ نمبر 1، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ص:9

11۔ برصغیر میں علم حدیث

12۔ علوم حدیث، دور جدید میں

مذکورہ بالا خطبات میں ہر ایک خطبہ علوم حدیث کے ایک خاص پہلو کو واضح کر رہا ہے بہر کیف محاضرات میں درج خطبات کے اہم مندرجات کو ہم یہاں پیش کرنے کی کوشش کریں گے، جن سے ڈاکٹر صاحب کی خدمات حدیث کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جامعین حدیث کو خراج تحسین

ڈاکٹر صاحب محدثین کی خدمات کو امت اسلامیہ کے لیے احسان عظیم اور آنے والی نسلوں کے لیے منارۂ نور تصور کرتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:

"کسی بھی چیز کو محفوظ رکھنے کے جتنے بھی طریقے ہوسکتے ہیں اور انسانی ذہن اور دماغ میں آسکتے ہیں وہ سارے کے سارے سنت اور ارشادات رسول اللہ ﷺ کو محفوظ رکھنے کے لیے محدثین نے اور امت مسلمہ نے اختیار کیے اور ان سب ممکنہ طریقوں سے محفوظ ہو کر علم حدیث مرتب و منقح ہو کر ہم تک پہنچا ہے۔ دنیا کے کسی علم پر اتنے بڑے انسانی دماغوں اور اتنے غیر معمولی یادداشت رکھنے والے انسانوں نے مسلسل غور وخوض نہیں کیا جتنا علم حدیث پر غور وخوض ہوا۔" [1]

احادیث کے مجموعہ کتبِ ستہ پر تبصرہ

ڈاکٹر صاحب احادیث کے مجموعات کو محدثین کی بیش بہا کاوش اور امت محمدیہ کے لیے ذخیرہ نایاب سمجھتے تھے۔ محاضرات حدیث میں کتب احادیث کے بارے میں ان کے تبصرے درج ذیل ہیں:

صحیح بخاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۵۶ھ) سے پہلے جتنے مجموعے کتب حدیث کے تھے باستثناء مسند امام احمد کے وہ اکثر و بیشتر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں سمو دیے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کل احادیث جو اس میں لکھی ہیں ان کی تعداد دس ہزار سے کم ہے لیکن اس میں تکرار بھی شامل ہے۔ اس میں ایک حدیث کی مختلف روایات اور سندیں بھی شامل ہیں ان سب کو نکال کر جو احادیث بنتی ہیں وہ دو ہزار چھ سو کے قریب ہیں۔"

1۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات حدیث (الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، 2004)، ص 32

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اسی کتاب کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، غالباً حدیث کی کسی کتاب کو یا کسی محدث کو اتنی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جتنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کو حاصل ہوئی۔ کتاب کی ترتیب کے ضمن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے یہ کیا کہ اس کتاب کے ابواب کا ایک نقشہ مرتب کیا کہ اس کے ابواب کیا کیا ہوں گے۔ ان تمام ابواب کا نقشہ مرتب کرنے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ مسجد نبوی میں گئے اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی، وہاں دو رکعت نماز پڑھ کر انہوں نے اس کتاب کو لکھنے کا آغاز کیا اور سولہ سال تک اس کتاب کو لکھتے رہے اور احادیث کی چھان پھٹک کرتے رہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جتنی احادیث نقل کی ہیں وہ سب کی سب صحیح لذاتہ ہیں، اس میں صحیح لغیرہ بھی کوئی نہیں اور اکثر احادیث مستفیض ہیں۔ صحیح بخاری کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کی مثال امت مسلمہ کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس کی ۵۳ شروحات کا ذکر حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" میں کیا ہے۔ مولانا عبدالسلام مبارکپوری نے ایک کتاب "سیرۃ البخاری" لکھی جس میں انہوں نے صحیح بخاری کی ۱۴۳ شروحات کا ذکر کیا ہے"[1]

ہم عرض کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں بلکہ مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ میں حاضری دی تھی اور وہاں استخارہ کیا تھا۔ روضہ رسول کا کسی کتاب میں بھی ذکر نہیں ہے، غالباً غازی صاحب کو سہو ہو گیا ہے۔

صحیح مسلم

صحیح مسلم کے بارے میں ڈاکٹر غازی صاحب لکھتے ہیں:

"صحیح بخاری کے بعد صحیح مسلم کا درجہ آتا ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۶۱ھ) کے اساتذہ میں امام بخاری، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک براہ راست شاگرد حرملہ بن یحییٰ بھی شامل ہیں اس لیے امام مسلم کو دو بڑے محدثین سے براہ راست اور بڑے فقیہ سے بالواسطہ کسبِ فیض کا موقع ملا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے شاگرد کے ذریعے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے براہ راست۔ امام صاحب نے امام اسحاق بن راہویہ سے بھی براہ راست کسب فیض کیا، لیکن ان کے خاص اساتذہ قتیبہ بن سعید اور ابو عبداللہ بن القعنبی تھے۔ صحیح مسلم میں ان دونوں کی روایات کثرت سے ملیں گی۔ صحیح مسلم میں بلا تکرار چار ہزار احادیث ہیں۔[2]

1- ایضا، ص 387 تا 390 ملخصاً

2- محاضرات حدیث: ص 391-392

سنن ابی داؤد

سنن ابی داود کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا فرمان کچھ یوں ہے:

" امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث (م ۲۷۵ھ) کی سنن میں پانچ لاکھ احادیث میں سے چار ہزار آٹھ سو کا انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ احادیث صرف سنن اور احکام سے متعلق ہیں۔ صحاح ستہ میں فقہی احادیث کا سب سے بڑا ماخذ یہی کتاب ہے۔ صحاح ستہ کی کسی اور کتاب میں فقہی احادیث اتنی بڑی تعداد میں موجود نہیں ہیں۔ اس میں تکرار برائے نام ہے۔ کہیں کہیں کوئی حدیث دوبارہ نقل ہو گئی ہے ورنہ ایک حدیث دوبارہ نقل نہیں کی گئی ہے۔ اس لیے چار ہزار آٹھ سو احادیث میں اکثر وبیشتر وہ ہیں جو ایک ہی بار بیان ہوئی ہیں۔ یہ کتاب جب سے لکھی گئی ہے ہمیشہ مقبول رہی ہے، علماء اور طلباء نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔ اس کی شرح امام خطابی(م۳۸۸ھ) نے "معالم السنن" کے نام سے لکھی۔ پھر امام ترمذی نے اس کتاب کی تلخیص کی اور اس تلخیص کی شرح علامہ ابنِ قیم نے لکھی۔ برصغیر پاک وہند کے عالمِ دین مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے "عون المعبود" کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے جو عرب ممالک میں بھی مقبول ہے۔[1]

جامع ترمذی

جامع ترمذی کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

سنن ابی داؤد کے بعد جامع ترمذی کا درجہ آتا ہے۔ امام ترمذی امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہم دونوں کے براہ راست شاگرد ہیں۔ امام ابو داؤد کے بھی شاگرد ہیں۔ قتیبہ بن سعید جو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں وہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی استاد ہیں۔ جامع ترمذی جامع ہے یعنی حدیث کے آٹھوں ابواب اس میں شامل ہیں۔ اس میں عقائد، اخلاق، احکام، تفسیر، فضائل، فتن، اشراط قیامت، علامات قیامت یہ سب موضوعات شامل ہیں اس لیے اس کا درجہ جامع کا ہے اور اس طرح وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جامع کے برابر ہے۔ صحاح ستہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کی کتابیں جامع ہیں۔

جامع ترمذی کے اہم خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ حدیث کے درجہ کا تعین بھی کرتی ہے۔ امام ترمذی پہلے حدیث بیان کرتے ہیں اور پھر اس کا درجہ بیان کرتے ہیں۔ امام صاحب یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث سے جو احکام نکلتے ہیں ان احکام میں بقیہ محدثین اور فقہاء کی رائے کیا ہے۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ امام

1- ایضا: ص392-394

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ایک باب میں جو احادیث بیان کرتے ہیں وہ بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ "فی الباب عن فلان وفلان وفلان" اس باب میں فلاں فلاں صحابہ کی احادیث بھی ہیں اور ان احادیث کو انہوں نے اپنی کتاب میں شامل نہیں کیا۔" [1]

جامع ترمذی کی شرح کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تحفۃ الاحوذی" سنن ترمذی کی اتنی ہی جامع شرح ہے جتنی صحیح بخاری کی فتح الباری ہے۔ جامع ترمذی کی اس سے بہتر کوئی اور شرح موجود نہیں ہے اور یہ برصغیر کے ایک صاحب علم کا اتنا بڑا کارنامہ ہے جسے دنیائے اسلام میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کتاب کا بیروت، تہران، مصر، ہندوستان، پاکستان اور کئی دوسری جگہوں پر بارہا چھپنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کتاب کو دنیاے اسلام میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ہے۔ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی صاحبِ عون المعبود کے شاگرد تھے۔ ڈاکٹر غازی صاحب ایک واسطہ سے مولانا عبدالرحمن مبارکپوری (مؤلف تحفۃ الأحوذی) کے شاگرد ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی بھی مبارکپوری کے شاگرد ہیں۔ [2]

سنن نسائی

سنن نسائی کے بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

سنن نسائی اس اعتبار سے بہت ممتاز ہے کہ صحیحین کے بعد سب سے کم ضعیف حدیثیں اس میں ہیں۔ صحیحین میں تو کوئی نہیں ہے بقیہ دونوں کتابوں ابوداؤد اور ترمذی میں ضعاف کی تعداد سنن نسائی کی نسبت زیادہ ہے۔ اس کے رجال یا راوی سنن کی بقیہ کتابوں کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہیں یعنی چار کتابوں ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی اور نسائی میں نسائی کے رجال سب سے قوی ہیں۔ اس کے راوی سب کے سب مستند ہیں اور اس کی شرائط بخاری اور مسلم کی شرائط کے بہت قریب ہیں۔ امام نسائی کو علل الحدیث میں بڑی مہارت تھی انہوں نے علل الحدیث کی جابجا نشاندہی کی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی علل کی نشاندہی کی ہے لیکن امام نسائی اس میں زیادہ نمایاں ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح وہ اسماء اور کنیٰ (کنیتوں) کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ اس طرح وہ امام ترمذی سے ملتے جلتے ہیں۔ انہوں نے غریب الحدیث کی شرح بھی کی ہے گویا یہ وہ کتاب ہے جو ابوداؤد اور ترمذی دونوں کی خصوصیات

1- محاضراتِ حدیث، ص394-395

2- محاضراتِ حدیث، ص430-431

اپنے اندر رکھتی ہے اور ایک اعتبار سے صحیحین کے بعد اس کا درجہ آتا ہے۔[1]

اس کی ایک شرح "التعلیقات السلفیہ" مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے لکھی ہے جو پانچ جلدوں میں سعودی عرب سے شائع ہوئی ہے، جو اسلامی ممالک خصوصاً پاکستان میں بہت مشہور ہے اور نہایت عرق ریزی سے لکھی گئی ہے، شاید یہ ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کی نظر سے نہیں گزری۔

سنن ابن ماجہ

سنن ابن ماجہ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

سنن ابن ماجہ میں حدیث کی بقیہ کتابوں کے مقابلے میں ضعیف احادیث زیادہ ہیں۔ ان کی ٹھیک ٹھیک تعداد کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا دشوار ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ ان کی تعداد چونتیس ہے، کچھ کا خیال ہے کہ ایک سو کے قریب ہے، کچھ کا خیال ہے کہ ایک سو بتیس یا ایک سو پینتیس کے قریب ہے۔ پھر ضعیف کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا ویسے بھی مشکل ہوتا ہے۔ ایک محدث کی رائے میں ایک حدیث ضعیف ہے تو دوسرے کی رائے میں وہ ضعیف نہیں ہوتی یا اتنی ضعیف نہیں ہوتی۔ پھر ضعاف کے بھی مختلف درجات ہیں بہر حال اس کتاب میں ضعاف کی تعداد زیادہ ہے۔ اس کی ایک شرح سیوطی نے "مصباح الزجاجۃ" کے نام سے لکھی ہے۔[2]

مجموعات حدیث کی درجہ بندی

ڈاکٹر صاحب احادیث کی کتب کے فنی اور استنادی اعتبار سے درجوں کے قائل تھے اس بارے میں وہ شاہ ولی اللہ کے کام کا ذکر کرتے ہیں:

"شاہ صاحب نے علم حدیث کی تاریخ کا ایک قابل ذکر کام یہ کیا ہے کہ حدیث نبوی کے پورے ذخائر کو جمع کر کے اور ان کا مطالعہ کر کے ان میں جو اسرار دین اور شریعت کے بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں ان کو اس طرح اجاگر کیا ہے کہ سارے علوم حدیث اور علوم نبوت کی روح پڑھنے والے کے سامنے آجاتی ہے یہ کارنامہ شاہ ولی

1۔ ایضاً، ص:399،398

2- محاضراتِ حدیث، ص400۔401

اللہ محدث دہلوی کی جس کتاب میں ہے اس کا نام "حجۃ اللہ البالغہ" ہے۔"[1]

"شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ امت مسلمہ کو ایک پلیٹ فارم پر کیسے جمع کیا جائے اور لوگوں میں عدم وحدت کے رجحان کو کیسے کم کیا جائے۔ یہ ان کی اولین کوشش ہوا کرتی تھی۔ ان کی دوسری کوشش یہ ہوا کرتی تھی کہ ان مسلکی اختلافات کو اور مسلمانوں میں جو متنوع آراء ہیں ان کو حدیث نبوی اور رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی سنت سے کیسے ہم آہنگ کیا جائے اور کس طرح سے علم حدیث کو عام کیا جائے کہ اختلافات حدود کے اندر آ جائیں۔"[2]

حجیت حدیث و سنت

ڈاکٹر صاحب نے محاضرات کے خطبات میں بڑے احسن انداز میں حجیتِ حدیث کا ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

"بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے احادیث کو لکھنے سے منع فرمایا۔ اسی طرح بعض واقعات میں یہ بھی آتا ہے کہ خلفاء راشدین میں سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے پہلے احادیث کے مجموعے تیار کروانے کا ارادہ ظاہر کیا تو یا تو ارادہ بدل دیا یا اس تیار شدہ مجموعہ کو ضائع کر دیا۔ ان روایات کی بنیاد پر منکرین حدیث نے بہت کچھ حاشیہ آرائی کی ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے چونکہ احادیث کو لکھنے سے منع کر دیا تھا اس لیے علم حدیث کی کوئی حیثیت نہیں۔ نہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اپنی سنت کو واجب التعمیل قرار دیا ہے اور نہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے سنت ضروری ہے۔ اگر سنت واجب التعمیل اور تدوین حدیث ضروری ہوتی تو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم احادیث کو اسی طرح لکھواتے جس طرح قرآن مجید کو لکھوایا۔ یہ بظاہر ایسی مضبوط دلیل معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص اس کو پڑھتا ہے وہ متاثر ہو جاتا ہے لیکن یہ تصویر کے بہت سے پہلوؤں میں سے ایک چھوٹا سا رخ ہے۔ آپ نے ممانعت کیوں فرمائی؟ کن لوگوں کے لیے ممانعت فرمائی؟ کس زمانے میں ممانعت فرمائی؟ اس پر کوئی منکرِ حدیث اظہارِ خیال نہیں کرتا۔ اسی طرح وہ احادیث بھی موجود ہیں جن میں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے احادیث لکھنے کی اجازت دی۔ احادیث کو لکھوایا۔ اپنے حکم سے اپنے بعض ارشادات کو ضبط تحریر میں منتقل کروایا اور صحابہ کرامؓ کو تحریری طور پر منتقل کیا۔"[3]

1- ایضا، ص:425۔426

2- ایضا، ص:436

3- محاضرات حدیث، ص:267۔268

حدیث کی ضرورت واہمیت بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

"سنت اگر نہ ہو تو قرآن پاک کے الفاظ کے کوئی معنی متعین نہیں کیے جاسکتے، نہ لغت کی مدد سے متعین کیے جاسکتے ہیں اور نہ کسی اور ذریعے سے۔ مثلا قرآن پاک میں اعتکاف کا تذکرہ ہے ﴿وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾[1] اعتکاف سے کیا مراد ہے؟ عاکف کس کو کہتے ہیں؟ قرآن پاک میں اس طرح کے درجنوں نہیں سیکڑوں احکام ہیں جن کی تعبیر و تشریح کسی کے لیے ممکن نہیں ہے اگر سنت کی تعبیر و تشریح ہمارے سامنے نہ ہو۔ اسی طرح قرآن پاک کی کچھ آیات میں کچھ الفاظ ہیں جن کے لیے مبہم کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے یعنی ان کی مراد واضح نہیں ہے۔ سنت سے ان کی تفسیر ہو جاتی ہے۔ کچھ آیات مجمل ہیں سنت سے ان کی تفصیل سامنے آجاتی ہے۔ کچھ آیات ہیں جو مطلق اور عمومی انداز میں آئی ہیں سنت سے ان کی تقیید ہو جاتی ہے۔ سنت اس کو قید کر دیتی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کچھ الفاظ ہیں جو قرآن مجید میں عام استعمال ہوئے ہیں سنت ان کو خاص کر دیتی ہے کہ اس سے خاص مراد یہ ہے اور اس سے باہر نہیں ہے۔ کچھ احکام ایسے ہیں جن کے لیے تشریح کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان کو نافذ کیسے کیا جائے گا سنت سے ان احکام کی شرح ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک میں کچھ احکام ایسے ہیں جن سے سنت کے دائرے کی توسیع ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اس کا دائرہ بظاہر یہاں تک معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا انطباق آگے بھی ہوگا۔ کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں کہ قرآن میں ان کے متعلق ایک اصول آیا ہے لیکن اس اصول سے کون سے جزوی مسائل نکلتے ہیں، ان کی مثالیں سنت نے دے دی ہیں۔ قرآن پاک کی رو سے سنتِ رسولؐ کا یہ کام ہے کہ وہ ان سب چیزوں کی وضاحت کرے۔"[2]

حدیث اور سلسلۂ اسناد

حدیث کی استنادی حالت کو مصئون ثابت کرنے کے لیے غازی صاحب نے سند کی عظمت وضرورت کو یوں واضح کیا ہے:

"رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر عمل درآمد فرض ہے اس لیے ان ارشادات کو جاننا بھی فرض ہے اور جانا نہیں جاسکتا تھا جب تک کہ سند کا معاملہ صاف نہ ہو اس لیے اسناد کا عمل دین کا حصہ بن گیا''لو لا الاسناد لقال من شاء ماشاء''۔ یہ جملہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا ہے جو امیر المؤمنین فی الحدیث کہلاتے ہیں کہ

1- البقرہ:187

2- محمود احمد، غازی، ڈاکٹر، محاضرات حدیث، ص:121

اسناد دین کا حصہ ہیں ''اگر اسناد کا عمل نہ ہوتا تو دین کے بارے میں جس کا جو جی چاہتا وہ کہہ دیا کرتا'' اور کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا اس لیے اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے اسناد کے عمل کو لازم قرار دیا گیا اور یہ بات مسلمانوں کے علمی مزاج کا حصہ بن گئی کہ جو علمی بات کسی کے سامنے کہی جائے وہ پوری سند کے ساتھ کہی جائے۔ یہ روایت مسلمانوں کے علاوہ کسی قوم میں موجود نہیں۔ بلا استثناء اور بلاخوف تردید یہ کہی جاسکتی ہے کہ سند کا یہ تصور صرف اور صرف مسلمانوں کی روایت میں پایا جاتا ہے کسی اور قوم کی مذہبی یا غیر مذہبی روایت میں سند کا کوئی تصور نہیں۔ مسلمانوں کے ہاں نہ صرف علم حدیث بلکہ تمام علوم وفنون میں اسناد کی پابندی لازمی سمجھی گئی۔ آپ تفسیر کی پرانی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیں، سیرت کی پرانی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیں حتیٰ کہ ادب، شعر، فصاحت، بلاغت، صرف، نحو اور لغت ان سب کی سندیں موجود ہیں۔'' [1]

وحی کا اثبات و اہمیت

ڈاکٹر صاحب وحی خفی یعنی حدیث نبوی کو قرآن مجید کی طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات و ارشادات کا حصہ سمجھتے ہیں وحی خفی کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''رسول کریم ﷺ پر وحی دو طریقوں سے آتی تھی۔ ایک وہ وحی ہوتی تھی جو وحی جلی کہلاتی ہے یعنی جس کے الفاظ، جس کی عبارتیں، جس کے کلمات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے تھے اور جس میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی دخل نہیں تھا۔ یہ وہ وحی تھی کہ جس کے الفاظ اور کلمات معجزہ ہیں جن کا اسلوب، جن کا معیار، جن کی فصاحت وبلاغت معجزہ کی سطح تک پہنچی ہوئی ہے، یہ وحی قرآن مجید کہلاتی ہے۔ اس کے علاوہ جو وحی ہوتی تھی وہ متعین الفاظ میں نہیں ہوتی تھی وہ سنت ہے جس کے صرف معنی اور مفہوم آپ تک منتقل ہوئے۔ یہ وحی بعض اوقات جبریل امین کے ذریعے سے نازل ہوئی، بعض اوقات کسی اور ذریعے سے بھی نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے خواب میں کوئی چیز دیکھی یا ویسے ہی اللہ نے دل میں کوئی چیز ڈال دی۔ سنت آپ (ﷺ) تک پہنچانے کے لیے وحی خفی کی رہنمائی کے کئی طریقے تھے جس میں وہ طریقہ بھی شامل تھا جس طریقے پر قرآن مجید نازل ہوتا تھا اس کے علاوہ بھی کئی طریقے شامل تھے بہر حال یہ وحی خفی کہلاتی ہے۔'' [2]

1- ایضا، ص:217-219

2- محاضراتِ حدیث، ص:102

خبرِ واحد اور محدثین

ڈاکٹر صاحب خبر واحد کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"خبرِ واحد کے بارے میں بڑی تفصیلی بحثیں ہیں کہ خبر صحیح بھی ہو اور خبر واحد بھی ہو تو اس کا حکم شریعت میں کیا ہے؟ فقہائے اسلام اور محدثین کے دور سے لے کر آج تک اس پر عمل آمد ہوتا چلا آرہا ہے۔ بعض محدثین کا خیال یہ ہے کہ اگر خبر واحد صحیح ہے تو ہر حال میں واجب التعمیل ہے اور اس پر عمل کیا جائے گا۔ بعض فقہاء کا جن میں حضرت امام ابو حنیفہ بھی شامل ہیں، کہنا ہے کہ اگر خبر واحد طے شدہ سنت اور قیاس سے متعارض ہو تو قیاس اور طے شدہ سنت کو ترجیح دی جائے گی اور خبر واحد کا کوئی اور مفہوم قرار دیا جائے گا۔ اس پر ظاہری معنوں میں عمل نہیں کیا جائے گا۔ اس میں صرف یہی دو رائے نہیں بلکہ اور بھی آراء موجود ہیں اور انہی کی بنیاد پر فقہی مسالک وجود میں آئے۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں صدر اسلام سے فقہی مسالک جتنے بھی بنے وہ اکثر و بیشتر 75یا80 فیصد خبر واحد کے بارے میں اختلاف ہی کی بنیاد پر وجود میں آئے۔"[1]

مذکورہ بالا نگارشات سے واضح ہوتا ہے کہ ڈاکٹر محمود احمد غازی کو حدیث اور علم حدیث سے نہ صرف شغف تھا بلکہ علم حدیث میں گہرا ادرک بھی رکھتے تھے۔ اور ان کا علمی ورثہ ان کی علم حدیث کی خدمت اور محبت کا واضح ثبوت ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی علم حدیث کے داعی تھے اور اس کے دفاع میں ہر وہ کوشش جو ایک عالم حدیث کو کرنی چاہیے، اس کے خواہاں رہتے تھے۔ ورثہ حدیث کے خلاف شکوک وشبہات پھیلانے والوں کے متعلق ڈاکٹر صاحب وارثان علوم حدیث کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حدیث رسول ﷺ پر اعتراض کرنے کی جو ذہنیت ہے، وہ یہودی ذہنیت ہے جو صحابہ کے زمانے سے چلی آرہی ہے۔ سنن ابی داؤد میں سلمان فارسی کی ایک روایت ہے کہ ان سے کسی یہودی نے بڑے طنز، استہزا اور مذاق سے پوچھا کہ کیا تمہارے رسول تمہیں غسل خانہ استعمال کرنے کے طریقے بھی بتاتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں بتاتے ہیں۔ آپ نے بتایا کہ جب استنجاء کرو تو اس طرح کرو۔ انہوں نے اس پر ناراضی کا اظہار کیا نہ ناپسندیدگی ظاہر کی اور نہ ہی اس کو طنز ومذاق کے طور پر لیا اور کہا کہ ہمارے پیغمبر ہمیں ہر اچھی بات بتاتے تھے۔ ہر زمانے میں یہودی اسی طرح سوالات کرتے رہے ہیں، لہٰذا ان تمام لوگوں کی ذمہ داری ہے جو حدیث کا علم رکھتے

1-ایضا، ص:159-160

ہیں یا جنھیں اللہ تعالی نے علم حدیث میں دلچسپی عطا فرمائی ہے کہ وہ علم حدیث کا دفاع کریں۔"[1]

علم حدیث کو عام کرنا ڈاکٹر صاحب کی دلی خواہش تھی وہ کتب احادیث کی شروح کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور عصر حاضر میں جدید مسائل اور تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے حدیث کی شروحات مرتب کرنے پر زور دیتے تھے۔ایک جگہ لکھتے ہیں:

"جس طرح متن حدیث کو نئے انداز سے مرتب کرنے کی ضرورت ہے اسی طرح علم حدیث کی نئی شرحیں لکھنے کی بھی ضرورت ہے۔۔۔یہ ایک نئی دنیا ہے جس پر ابھی کام کا شاید آغاز بھی نہیں ہوا اور اگر آغاز ہوا ہے تو محض آغاز ہی ہے۔[2]"

شاید ڈاکٹر صاحب کی نظر سے یہ بات نہیں گزری کہ مسند احمد کی شرح عربی زبان میں پچاس جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔اس کا اردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔اسی طرح ابن ملقن کی صحیح بخاری کی شرح 38 جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

علم حدیث اور اصول فقہ

ڈاکٹر صاحب علم اصول فقہ کا منبع بھی علم حدیث کو ہی تصور کرتے تھے۔ایک جگہ لکھتے ہیں:

"علم حدیث اس نبوغ اور عبقریت کا نمونہ ہے کہ جس میں معلومات اور معاملات کی وسعت کا دارومدار ہوا اور اصول فقہ اس نبوغ اور عبقریت کا نمونہ ہے جس پر تخلیقی صلاحیتیں اور نئے نئے افکار و نظریات کو سامنے لانے پر معاملات کی بنیاد ہو۔"[3]

علم حدیث اور تاریخ

علم حدیث کی حقانیت اور دنیا پر اس کے اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ڈاکٹر صاحب موصوف علم حدیث کو تاریخ کا ماخذ سمجھتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں:

"دنیا کا کوئی مؤرخ اسلام کے اس احسان کو مانتا ہے یا نہیں مانتا۔مانتا ہے تو بلاشبہ عدل و انصاف کی بات کرتا ہے اور نہیں مانتا تو بڑا احسان فراموش ہے یا کم از کم ناواقف ضرور ہے، لیکن تاریخ کا صحیح

1-محاضراتِ حدیث، ص:462-463

2-ایضاً ص:458

3-محاضراتِ حدیث، ص 71

تصور اور تاریخ کا وہ صحیح شعور جس طریقے سے مسلمانوں کو اور ان سے دنیا کو حاصل ہوا اس کا اولین مصدر وماخذ علم حدیث ہے۔"[1]

حفاظت حدیث

حدیث وعلوم حدیث کی حفاظت کے بارے میں محدثین کے کیے گئے کاموں کو آگے بڑھانے کے لیے ڈاکٹر صاحب موصوف ہر وہ طریقہ استعمال کرنے کے قائل تھے کہ جس سے علوم حدیث کو آسان اور محفوظ کیا جاسکے۔ اس حوالے سے وہ کہتے ہیں:

"لیکن اس سے بھی زیادہ جو مشکل کام ہے وہ رجال کی کمپیوٹرائزیشن کا کام ہے۔ 6 لاکھ افراد کے بارے میں تفصیلات، معلومات کے اس تمام ذخیرے کے ساتھ جو علماء رجال وجرح وتعدیل کے آئمہ نے جمع کیا ہے اس کو کمپیوٹرائز کرنا انتہائی اہم مشکل اور لمبا کام ہے۔ اس کے لیے ایک نئے سافٹ ویئر کی ضرورت ہے۔ یہ سافٹ ویئر وہی آدمی بنا سکتا ہے جو خود بھی محدث ہو، علم حدیث بھی جانتا ہو اور پروگرامنگ (Programming) بھی جانتا ہو۔ اگر علم حدیث نہ جانتا ہو تو شاید اس کے لیے سافٹ ویئر بنانا بہت مشکل ہو گا۔"[2]

علم حدیث اور دورِ جدید:

ڈاکٹر محمود احمد غازی علم حدیث کو بنیادی علم قرار دیتے ہوئے جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے والی تحقیقات کے حامی تھے۔ وہ محض قدامت پرستی پر یقین نہ رکھتے تھے بلکہ قدیم کو بنیاد بناتے ہوئے علم حدیث کے متعلق جدید تحقیقات کے ذریعے انکشافات اور ان کے حل پر زور دیتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ کہتے ہیں:

"بیسویں صدی کو اگر ہم دورحاضر یا دور جدید قرار دیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کے دوران علم حدیث میں ایک نئی سرگرمی پیدا ہوئی ہے اور علم حدیث پر کام کرنے کے نئے نئے میدان اور نئے نئے موضوعات سامنے آئے ہیں۔ خاص طور پر دنیائے عرب میں اہل علم کی ایک بہت بڑی تعداد نے علم حدیث پر ایک نئے انداز سے کام کا آغاز کیا ہے اور تحقیق اور علمی کاوش کے ایسے ایسے نمونہ دنیا کے سامنے رکھے ہیں جن کو علم حدیث کی تاریخ میں ایک نئے دور کا نقطہ آغاز

1- ایضا، ص 71-72

2- محاضراتِ حدیث، ص 460

کہا جا سکتا ہے۔ عرب دنیا میں بہت سی جامعات کے شعبہ ہائے اسلامیات نے اور بہت سی جامعات اسلامیہ نے علم حدیث کے موضوع پر ایسے نئے نئے مقالات تیار کرائے ہیں جنہوں نے علم حدیث کے ان تمام گوشوں کو از سر نو زندہ کر دیا ہے جن کو ایک طویل عرصہ سے لوگوں نے نظر انداز کر دیا تھا۔"[1]

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں:

"یہ مت سمجھو کہ انگور کے خوشے سے شراب نچوڑنے والے کا کام ختم ہو چکا ہے۔ ابھی تو انگور کے خوشوں میں ہزاروں شرابیں ہیں جو نچوڑی جانی ہیں اور جن کو نکال کر ابھی لوگون کے سامنے پیش کرنا ہے یہی معاملہ علم حدیث کا ہے کہ علم حدیث کے تمام علوم وفنون میں تحقیق کے ایسے ایسے گوشے ابھی موجود ہیں جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے اور اہل علم ان پر کام کر رہے ہیں۔ اس معاملہ میں دنیائے عرب کی جامعات نے خاص طور پر جامعہ ازہر، سعودی عرب، شام اور مراکش کی جامعات نے علم حدیث کے موضوعات پر قابل ذکر ذخیرہ پیش کیا ہے اور علم حدیث کو ایک نئے انداز سے مرتب کرنے کی طرح ڈالی ہے۔ ان حضرات کے نام لیے جائیں تو گفتگو طویل ہو جائے گی جنہوں نے علم حدیث کو نئی جہتوں سے نوازا ہے۔ ایسے حضرات کی تعداد بھی درجنوں سے بڑھ کر سیکڑوں میں ہے جو آج عرب دنیا کے گوشے گوشے میں علم حدیث اور علوم حدیث پر نئے انداز سے کام کر رہے ہیں۔"[2]

علم حدیث پر جدید پہلوؤں سے کام کرنے کی ضرورت کو ڈاکٹر غازی صاحب بڑی اہمیت دیتے تھے اور اس کی ترغیب دلاتے تھے۔ ایک جگہ کہتے ہیں:

"تہذیب وتمدن کی اساس کس بنیاد پر بنتی ہے اور قوموں کا عروج وزوال کیسے ہوتا ہے؟ سابقہ محدثین نے اپنی کتابیں مرتب کرتے وقت اپنے سامنے یہ موضوعات نہیں رکھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ اور اپنی ضروریات کے لحاظ سے عنوانات تجویز کیے اور موضوعات رکھے، لیکن سارے موضوعات کو اسی طرح سے (Re-arrange) کریں تو نئے نئے علوم وفنون سامنے آئیں گے۔ اس لیے نئے انداز سے علم حدیث کے مجموعے مرتب کرنے کی ضرورت ہے جن میں آج کے دور کے تہذیبی، تمدنی، سیاسی، معاشی، اجتماعی، اخلاقی اور روحانی ضروریات

1- ایضاً، ص 441۔442

2- محاضراتِ حدیث، 442۔443

کے مطابق ابواب کی ترتیب اور تقسیم کی جائے۔ ماخذ یہی قدیم کتابیں اور یہی ذخائر رہیں گے جو آئمہ اسلام نے 458ھ تک مرتب کر کے ہمیں دے دیے تھے۔ پانچویں صدی ہجری تک جو مجموعے مرتب ہو گئے وہ تو بنیادی ماخذ ہیں وہ تو ایک طرح سے (Power Houses) ہیں جہاں سے آپ کو Connection ملتا رہے گا، لیکن کنکشن سے آپ نئی نئی مشینیں چلائیں، نئے نئے کام کریں، نئے نئے انداز سے روشنی پیدا کریں، نئے نئے راستے روشن کریں۔ یہ کام ہمیشہ ہوتا رہے گا اور وہ پاور ہاؤس اپنی جگہ موجود رہیں گے۔"[1]

مستشرقین کی مثبت خدمات پر ستائش:

ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب علم اور اہل علم کے قدردان تھے اور خواہ وہ کسی مذہب یا مکتبِ فکر سے تعلق رکھتا ہو۔ علم کی خدمت میں جتے اشخاص کو تحسین کی نظر سے دیکھتے اور ان کی ستائش کا حق ادا کرتے۔ مستشرقین کی اسلام دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں لیکن ان کے علم حدیث سے متعلقہ کارناموں کو ڈاکٹر غازی صاحب سراہتے ہیں اور ان پہلوؤں کو تحسین کی نظر سے دیکھتے ہیں جن کی وجہ سے طالبان حدیث کو آسانی ہوئی آپ فرماتے ہیں:

> "اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہاں مستشرقین کی مثبت علمی کاوشوں کا اعتراف بھی کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ اچھی بات کی تعریف کرے اور بری بات کی برائی کی نشاندہی کرے۔ ہم مستشرقین کے کاموں پر تنقید کرتے ہیں۔ مستشرقین کے جو کام تنقید کے قابل ہیں ان پر تنقید کرنی چاہیے۔ جہاں جہاں غلطیاں ہیں ان کی نشاندہی کرنی چاہیے۔ جہاں جہاں اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں یا پیدا کی گئی ہیں ان کا ازالہ کیا جانا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاں مستشرقین نے کوئی اچھا کام کیا ہے اس کا اعتراف بھی کرنا چاہیے۔ مستشرقین کا کیا ہوا ایک غیر معمولی کام المعجم المفھرس لالفاظ الحدیث جیسے جامع انڈکس کی ترتیب ہے۔ یہ مستشرقین کی ایک جماعت نے سالہا سال کی کوششوں کے بعد تیار کی ہے۔.......... یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس کی جتنی قدر کی جائے کم ہے۔ جب کوئی شخص علم حدیث پر کام کر رہا ہو اور احادیث کے حوالے تلاش کر رہا ہو اور اس کتاب سے مدد لے اس وقت اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ ان چند کتابوں میں سے ہے جو حدیث کے طلبہ بہت کثرت سے استعمال کرتے ہیں

1- ایضا، ص457-458

اور علم حدیث کا کوئی استاد، کوئی محقق اور کوئی مصنف اس کتاب سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ یہ مستشرقین کا ایک قابل قدر کارنامہ ہے اور ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہیے۔ انہوں نے اچھی کاوش کی ہے ہم اس کی قدر کرتے ہیں۔"[1]

رحلۃ اور محدثین کی خدمات:

رحلۃ فی طلب الحدیث، یعنی علم حدیث کے حصول اور تدوین کی غرض سے سفر۔ یوں تو حصولِ علم کے لیے دور دراز علاقوں کا سفر کرنا مسلمانوں کی روایات کا ہمیشہ ہی ایک اہم حصہ رہا ہے، لیکن علمِ حدیث کے حصول کی خاطر سفر کا اپنا ایک منفرد مقام ہے۔ محدثین کرام نے علم حدیث کے حصول، احادیث کی تحقیق، راویوں کی جرح وتعدیل اور رجال کے بارے میں معلومات جمع کرنے کی خاطر جو طویل اور مشقت انگیز سفر اختیار کیا ان سب کی داستان نہ صرف دلچسپ اور حیرت انگیز ہے، بلکہ علمِ حدیث کی تاریخ کا ایک نمایاں اور منفرد باب ہے۔ محدثین کے تذکرے میں رحّال، یعنی بہت زیادہ سفر کرنے والا اور جوّال، بہت زیادہ پھرنے والا، یہ صفات بہت کثرت سے نظر آتی ہیں۔ بعض محدثین کے بارے میں تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ طاف البلاد، انہوں نے مختلف ملکوں کا چکر لگایا تھا۔

ایک محدث ہیں ابن المقری، جو غالباً پانچویں صدی کے ہیں۔ وہ کہتے ہیں مَیں نے روئے زمین میں مشرق و مغرب سے لے کر چار مرتبہ سفر کیا۔ طفت الشرق والغرب اربع مرّات، جب وہ شرق اور غرب کہتے ہیں تو شرق سے ان کی مراد وسط ایشیا کے وہ علاقے ہوتے ہیں جو مسلمانوں میں علوم وفنون کا مرکز تھے، سمرقند اور بخارا۔ اور غرب سے ان کی مراد ہوتی ہے اسپین، اندلس، غرناطہ، فاس، قیروان، رباط، گویا اندلس سے لے کر سمرقند اور بخارا تک اور شمال میں آذربائیجان اور آرمینیا سے لے کر جنوب میں مصر اور یمن تک۔ انہوں نے علمِ حدیث کی تلاش میں اس پورے علاقے کا چار مرتبہ چکر لگایا۔

امام یحیٰ بن معین کے والد نے دس لاکھ پچاس ہزار درہم ترکے میں چھوڑے جو یحیٰ بن معین کو ملے۔ انھوں نے یہ ساری رقم علمِ حدیث کے حصول اور اس کی خاطر سفر کرنے میں صرف کر دی۔ انہوں نے وسیع پیمانے پر سفروں کا سلسلہ اختیار کیا اور علمِ حدیث کے حصول میں جو توّسع وہ اپنا سکتے تھے وہ انہوں نے اپنایا۔ انہوں نے ایک مرتبہ امام احمد کے ساتھ مل کر ایک علمی سفر کیا۔ طویل سفر طے کر کے بغداد سے یمن پہنچے اور وہاں امام

1- ایضاً، 443۔444

عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی سے ان دونوں بزرگوں نے بعض احادیث کی تحقیق و تحصیل کی۔

ایک مرتبہ یہ دونوں بزرگ کوفہ گئے وہاں ایک محدث ابو نعیم فضل بن دُکین تھے۔ امام احمد نے یحیٰ بن معین سے کہا کہ یہ ایک بہت مستند راوی ہیں۔ اطمینان رکھو، مَیں نے تحقیق کر لی ہے۔ امام یحیٰ بن معین نے کہا کہ جب تک میں خود تحقیق نہ کرلوں مَیں ان کے عادل اور حجت ہونے کی گواہی نہیں دے سکتا۔ چنانچہ یہ دونوں بزرگ ان کی خدمت میں پہنچے۔ اپنا تعارف نہیں کروایا اور نہ ہی اپنا نام بتایا۔ جا کر صرف یہ بتایا کہ ایک علاقے سے آپ کے پاس علمِ حدیث سیکھنے آئے ہیں۔

صحیح مسلم کی ایک روایت ہے: حضور ﷺ نے فرمایا کہ "من سلك طريقا يلتمس فيه علماً سهل الله طريقا إلى الجنة."[1] جو شخص کسی راستے پر چلا اور اس کا مقصد علم حاصل کرنا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔ اس سے بھی علمِ حدیث اور علمِ دین اختیار کرنے کے لیے سفر کرنا پسندیدہ معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) نے اس کو ایک پسندیدہ چیز اور جنت کا ایک ذریعہ قرار دیا ہے۔

علمِ حدیث کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سفر

حضرت جابر بن عبد اللہؓ ایک مشہور صحابی ہیں۔ ان کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی شام میں مقیم ہیں جن کا نام عبد اللہ بن انیسؓ ہے۔ ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہے جو انہوں نے نہیں سنی۔ انہوں نے سفر کے مصارف اور زادِ راہ کا انتظام کیا، اونٹ خریدا اور ایک مہینے کا سفر کر کے شام پہنچے۔ دمشق گئے، عبد اللہ بن انیسؓ کے مکان کا پتہ کیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا، ملازم نکلا، اس نے اندر جا کر بتایا کہ کوئی بدو آیا ہے، پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، بال گرد آلود ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ دور سے سفر کر کے آیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن انیسؓ نے کہا کہ جا کر نام معلوم کرو۔ انہوں نے کہا کہ 'جابر'، عبد اللہ بن انیسؓ نے ملازم سے مزید وضاحت کروائی کہ کون جابر؟ باہر سے جواب لایا گیا کہ "جابر بن عبد اللہؓ"۔ یہ نام سنتے ہی عبد اللہ بن انیسؓ تڑپ اٹھے۔ اندر سے دوڑتے ہوئے نکلے، حضرت جابرؓ کو گلے لگایا، پیشانی کو بوسہ دیا اور پوچھا کہ کیسے تشریف لائے؟ انہوں نے کہا بس اتنا معلوم کرنا تھا کہ فلاں حدیث کے بارے میں پتہ چلا تھا کہ وہ آپؓ کے پاس ہے۔ اس کے الفاظ کیا ہیں اور آپؓ نے رسول اللہ (ﷺ) سے کن الفاظ میں اس حدیث کو سنا تھا؟ انہوں نے دہرایا کہ ان الفاظ میں سنا تھا۔ انہوں نے کہا الحمد للہ، صرف اس غرض کے لیے آیا تھا اس کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں تھی۔ اونٹ کی باگ موڑ لی اور واپس

---

[1]۔ مسلم، صحیح مسلم، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: 6853

مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔

علمِ حدیث کے لیے تابعین کے سفر

ایک تابعی ہیں زید بن الحباب یا تبع تابعین میں سے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک روایت ملی، جس کے بارے میں پتہ چلا کہ اس کو تین بزرگوں نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت کے راوی کوفہ میں، دوسری روایت کے راوی مدینہ میں اور تیسری روایت کے راوی مصر میں ہیں۔ مَیں پہلے کوفہ گیا۔ وہاں شیخ سے مل کر اس کی تصدیق کی اور اس روایت کو حاصل کیا۔ اس کے بعد دوسرا سفر مَیں نے مدینہ منورہ کا اختیار کیا۔ مدینہ منورہ میں جو شیخ تھے ان سے اس روایت کو لیا اور وہاں سے مصر پہنچا تو معلوم ہوا کہ جن سے ملنے آیا ہوں ان سے ملاقات کے اوقات مقرر ہیں اور ان مقررہ اوقات کے علاوہ وہ کسی سے نہیں ملتے۔ فجلست علی بابه (میں ان کے دروازے پر بیٹھا رہا)۔ جب وہ باہر نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک بدو دروازے پر بیٹھا ہوا ہے۔ پوچھا کہ کس لیے آئے ہو؟ بتایا کہ اس غرض سے آیا ہوں انہوں نے حدیث پڑھ کر سنائی اور حدیث کے الفاظ کی تصدیق کی کہ یہی الفاظ تھے: "الفرق مابین صیامنا و صیام اهل الکتاب اکلة السحر."[1] "ہمارے اور اہلِ کتاب کے روزوں میں اہم فرق سحری کھانے کا ہے" اہلِ کتاب جب روزہ رکھتے تو سحری نہیں کھاتے اور ہم جب روزہ رکھتے ہیں تو سحری کھا کر رکھتے ہیں۔[2]

برصغیر میں علمِ حدیث

برصغیر میں ایک خاص دور میں علمِ حدیث پر بہت کام ہوا۔ یہ کام اتنے وسیع پیمانے پر اور اتنی جامعیت کے ساتھ ہوا کہ عرب دنیا میں بہت سے حضرات نے اس کا اعتراف کیا اور اس کے اثرات وسیع پیمانے پر دنیا میں بھی محسوس کیے گئے۔ مصر کے ایک نامور دانشور اور عالم علامہ سید رشید رضا نے یہ لکھا کہ اگر ہمارے بھائی، برصغیر کے مسلمان نہ ہوتے تو شاید علم حدیث دنیا سے اٹھ جاتا۔ یہ اٹھارھویں انیسویں صدی کی صورتِ حال کا تذکرہ ہے۔ برصغیر کے علماء کرام نے اس دور میں علمِ حدیث کا پرچم بلند کیا جب دنیائے اسلام اپنے مختلف مسائل میں الجھی ہوئی تھی۔

برصغیر میں اسلام خلفائے راشدین کے زمانے میں ہی آگیا تھا۔ سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانے میں مغربی ہندوستان

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب اکلة السحور، رقم الحدیث: 1069

2- ایضا، 291-323

میں بمبئی اور تھانہ میں مسلمانوں کی آبادیاں وجود میں آچکی تھیں۔ ظاہر ہے یہ سب حضرات تابعین تھے جو ہندوستان آئے اور جن کی آبادیاں برصغیر میں قائم ہوئیں۔انہی تابعین کے ہاتھوں برصغیر میں اسلام باقاعدہ طور پر داخل ہوا۔ سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ کے زمانے میں مسلمانوں کے قافلے یہاں آنے شروع ہو گئے تھے۔

پھر جب 92ھ میں محمد بن قاسمؒ کے ہاتھوں سندھ اور موجودہ پاکستان کا بیشتر حصہ فتح ہوا تو ان کے ساتھ بڑی تعداد میں تابعین اور بعض صحابہ کرامؓ بھی تشریف لائے۔

برصغیر میں علمِ حدیث کا پہلا دور

یہ وہ دور ہے جس میں ہندی مسلمانوں کے علمی روابط دنیائے عرب کے ساتھ بالعموم اور عراق کے ساتھ بالخصوص قائم ہوئے۔ عراق کے لوگ بڑی تعداد میں یہاں آئے۔اسی طرح دوسرے عرب ممالک سے بھی لوگ بڑی تعداد میں یہاں آکر بسے۔ ان میں اہلِ علم بھی شامل تھے اور محدثین بھی۔

برصغیر میں علم حدیث کا دوسرا دور

اس کے بعد جب دہلی میں مسلمانوں کی سلطنت قائم ہوئی۔ اور وہ دور شروع ہوا جس کو دورِ سلطنت کہتے ہیں۔ اس وقت بڑی تعداد میں علمائے کرامؒ برصغیر میں آئے جن میں علمِ حدیث کے ماہرین بھی شامل تھے۔

انہی دنوں ایک بزرگ جو علامہ ابن تیمیہؒ کے شاگرد تھے، ہندوستان آئے اور اپنے ساتھ علمِ حدیث کے ذخائر بھی لے کر آئے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد وہ ہندوستان سے واپس چلے گئے۔

موجودہ پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں ایک بہت بڑے محدث نے، جو اس زمانے میں دنیائے اسلام میں صفِ اوّل کے چند محدثین میں سے ایک تھے، اس علاقہ کو اپنا وطن بنایا اور لاہوری کہلائے۔ انہوں نے علمِ حدیث پر جو کام کیا وہ کئی سو سال تک پوری دنیائے اسلام میں بہت مشہور و معروف اور مقبول رہا۔ ان کا اسمِ گرامی تھا امام حسن بن محمد صغانی لاہوری۔ امام صغانی لاہوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ پھر ایک طویل عرصے کے بعد وہ لاہور سے دنیائے عرب چلے گئے اور حجاز میں سکونت اختیار فرمائی اور حرمین میں ہی ان کا انتقال ہوا۔ حدیث پر ان کی کتاب ہے "مشارق الانوار النبویہ فی صحاح الاخبار المصطفویہ" جس کو مختصراً مشارق الانوار کہا جاتا ہے۔

برصغیر میں علمِ حدیث کا تیسرا دور

دورِ مغلیہ جو دورِ سلطنت کے بعد آیا کو ہم علمِ حدیث کے اعتبار سے ایک نئے دور کا آغاز کہہ سکتے ہیں۔ یہ دور دو

بڑی شخصیات سے عبارت ہے۔ اور وہ دو بڑی شخصیات جن کے تذکرے کے بغیر برصغیر میں علمِ حدیث کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان میں ایک شخصیت تو ایسی ہے کہ دنیائے اسلام میں حدیث کی تاریخ ان کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی تو درست ہے۔ ان میں سے پہلی شخصیت تو شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی ہے اور دوسری شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تذکرے کے بغیر علمِ حدیث کی کوئی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں کے امیر المومنین فی الحدیث ہیں تو غلط نہیں ہو گا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

برصغیر میں علمِ حدیث سے اعتنا کرنے والے سو فیصد علماء براہ راست شاہ ولی اللہ کی روایت سے وابستہ ہیں۔

شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق تھے۔ انہوں نے کم و بیش چالیس یا پچاس سال ہندوستان میں درسِ حدیث دیا اور ہزاروں تلامذہ ان سے درسِ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے۔

حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ المعروف شیخ الکل

شاہ محمد اسحاق کے شاگردوں میں بعض محدثین حضرات بڑے نمایاں ہیں جن سے وہ روایتیں آگے چلیں جو ہندوستان کے ہر علاقے میں پھیلیں۔ ان کے ایک شاگرد تھے جو شیخ الکل یعنی ہر فن کے استاد اور سب کے استاد کہلاتے تھے۔ وہ تھے میاں نذیر حسین محدث دہلوی۔ شاہ محمد اسحاق 1857 کے ہنگامہ کے کچھ سال بعد ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ باقی زندگی وہیں گزاری اور وہیں ان کا انتقال بھی ہوا۔ پھر ان کے بعد ان کی جانشینی ہندوستان میں جن حضرات نے کی ان میں ایک تو میاں نذیر حسین محدث دہلوی تھے۔ اردو زبان میں حدیث کی کتابوں کے پہلے مترجم علامہ وحید الزمان ہیں جو حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ کے شاگرد ہیں۔

میاں سید نذیر حسین کے دوسرے شاگرد تھے علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ، یہ اتنے بڑے محدث ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑا محدث کوئی نہیں تھا، یا اگر تھے تو ایک دو ہی تھے، تو شاید یہ مبالغہ ہو گا۔ انہوں نے وہ کارنامے انجام دیے جو بہت غیر معمولی تھے۔ ان کا ایک کارنامہ تو یہ تھا کہ انہوں نے 'غایہ المقصود' کے نام سے سنن ابی داؤد کی شرح لکھی جو بتیس جلدوں میں تھی۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ

علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ کے ایک شاگرد اور ان کے سلسلہ کے ایک اور بزرگ علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری تھے۔ یہ بھی صفِ اوّل کے محدث تھے۔ انہوں نے سنن ترمذی کی ایک شرح لکھی جس کا نام "تحفۃ الاحوذی" ہے۔

نواب سید صدیق حسن خانؒ

ایک اور بزرگ جن کا تذکرہ ضروری ہے۔ وسطی ہندوستان کے شہر بھوپال کے رہنے والے تھے۔ بنیادی طور پر وہ حدیث اور فقہ کے عالم تھے۔ تذکرہ اور رجال ان کا مضمون تھا۔ ان کا نام نواب سید صدیق حسن خان تھا۔ ان کی شادی شاہ جہاں بیگم والیٔ بھوپال سے ہوئی۔ چونکہ بیگم بھوپال نے ان سے نکاح کر لیا تھا اس وجہ سے ان کو نواب کا لقب ملا اور نواب صدیق حسن خان کہلانے لگے۔ اصل حکمرانی ان کی بیگم کی تھی لیکن چونکہ وہ ملکۂ بھوپال کے شوہر تھے اس لیے ان کو بہت وسائل حاصل ہو گئے تھے۔ ان وسائل سے کام لے کر انہوں نے ایک بڑا تحقیقی ادارہ قائم کیا۔ خود بھی کئی کتابیں لکھیں اور اپنی نگرانی میں اور بھی بہت سے کتابیں لکھوائیں۔ ان میں علومِ حدیث پر درجنوں کتابیں شامل ہیں۔[1]

علم حدیث کی کمپیوٹرائزیشن

اگرچہ تاحال علم حدیث پر بیسوں پروگرامز مرتب ہو چکے ہیں اور کمپیوٹرز کے ماہرین نے علم حدیث کو طالبان علم حدیث کے لیے اس قدر آسان کر دیا ہے کہ مہینوں کے مطالعے کا سفر گھنٹوں میں طے ہو رہا ہے اور آج ایک عام طالب علم کی رسائی کمپیوٹر کے ذریعے ان تمام علوم تک ہو چکی ہے جن تک عام حالات میں ناممکن تھی۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کمپیوٹرائزیشن میں علم حدیث میں زیادہ رفتار کے خواہاں تھے اور یہ خواہش رکھتے تھے کہ دوسرے علوم کی طرح علوم حدیث میں خاص طور پر اسماء الرجال کے انڈیکس کی کمپیوٹرائزیشن کی جائے ان کے اس بارے میں احساسات یوں ہیں:

"ایک نیا میدان جو علم حدیث کے باب میں سامنے آیا ہے اور جس پر بڑا کام ہوا ہے لیکن ابھی نامکمل ہے۔ وہ حدیث کی کمپیوٹرائزیشن ہے۔ حدیث کی کمپیوٹرائزیشن پر کئی جگہ کام ہو رہا ہے۔ آج سے بیس سال پہلے لندن میں

1- محاضرات حدیث، ص، 413-438۔

ایک ادارہ Islamic Computing Center کے نام سے بنا تھا۔ میں نے بھی اس کا دورہ کیا۔ وہاں کے ایک صاحب یہاں پاکستان بھی آئے تھے۔ اس زمانے میں صدر ضیاء الحق صاحب سے ملے۔ اس کے بعد سعودی عرب میں یہ کام شروع ہوا۔ اس دور کے ایک فاضل ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی بھی یہ کام کر رہے تھے۔ اسی طرح سے مصر اور کئی دوسرے علاقوں میں یہ کام شروع ہوا اور بڑے پیمانے پر اس کام کے نمونے اور سی ڈیز سامنے آئی ہیں۔

میرے اپنے استعمال میں ایک ایسی سی ڈی ہے جس میں حدیث کی پندرہ بیس کتابوں کو سمو دیا گیا ہے۔ اس میں تمام صحاح ستہ، مسند احمد اور حدیث کی دوسری بڑی کتابیں موجود ہیں اور کمپیوٹر کے ذریعے چند منٹ میں آپ کے سامنے آسکتی ہیں۔ چھوٹی سی سی ڈی جیب میں رکھیں اور کہیں بھی کمپیوٹر کے ذریعے اس کو دیکھ لیں۔ یہ ایک مفید چیز ہے لیکن ابھی حدیث کے متون بھی سارے کے سارے کمپیوٹرائز نہیں ہوئے۔ حدیث کی چند کتابیں ہی کمپیوٹرائز ہوئی ہیں یہ سارے بنیادی مآخذ جو بیسویں صدی میں شائع ہوئے یا اس سے پہلے شائع ہوئے لیکن زیادہ متداول نہیں تھے وہ سارے کے سارے کمپیوٹرائز ہونے باقی ہیں۔

لیکن اس سے بھی زیادہ جو مشکل کام ہے وہ رجال کی کمپیوٹرائزیشن کا کام ہے ۔ چھ لاکھ افراد کے بارے میں تفصیلات ، معلومات کے اس تمام ذخیرے کے ساتھ جو علمائے رجال اور جرح وتعدیل کے ائمہ نے جمع کیا ہے، اس کو کمپیوٹرائز کرنا انتہائی اہم، مشکل اور لمبا کام ہے۔ اس کے لیے ایک نئے سافٹ ویئر کی ضرورت ہے۔ یہ سافٹ ویئر وہی بنا سکتا ہے جو خود بھی محدث ہو۔ علم حدیث بھی جانتا ہو اور پروگرامنگ بھی جانتا ہو۔"[1]

حاصلِ بحث

ڈاکٹر محمود احمد غازی ایک مایہ ناز سکالر اور عہد ساز شخصیت تھے۔ آپ اسلامی وعصری علوم سے بہرہ ور تھے۔ ڈاکٹر صاحب علوم اسلامیہ میں مختلف موضوعات پر تخصص رکھتے تھے۔ ان میں ایک علم حدیث اور علوم حدیث کا موضوع بھی ہے جسے ڈاکٹر صاحب تمام علوم کا منبع تصور کرتے تھے اور علم حدیث کو شائع کرنے اور اس کو بنیاد بنانے پر زور دیتے تھے۔ آپ تاریخ وفقہ کا سرچشمہ بھی حدیث ہی کو مانتے تھے۔ ان کی علوم حدیث پر خدمات میں ان کے 12 خطبات جو "محاضراتِ حدیث" کے نام سے مرتب ہیں ان میں ڈاکٹر صاحب نے حدیث کے مختلف

1- محاضرات حدیث، ص:459-460.

پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے اور حدیث کی ضرورت و اہمیت اور حجیت پر اپنی عالمانہ رائے دی ہے اور دلائل سے واضح کیا ہے کہ اگر دنیا پر اسلامی علم کی دھاک بٹھانی ہے تو علم حدیث ہی واحد راستہ ہے جس کے ذریعے ہم دوسرے علوم پر غلبہ حاصل کر سکتے ہیں۔ انہوں نے کتب حدیث اور محدثین کی جہود کو طالبان علم حدیث کے لیے مینارۂ نور قرار دیا ہے۔ اسی طرح ورثہ حدیث کو انھوں نے مسلمانوں کا نہایت قیمتی اثاثہ شمار کیا ہے اور حدیث کے دفاع اور اشاعت پر زور دیا ہے۔